نافرمانی کرنا، عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا، ناپ اور تول میں بے ایمانی کرنا، جہاد میں میدانِ جنگ سے بھاگ جانا، رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا، رشوت لینا، جن سے نکاح حرام ہے، اُن سے نکاح کرنا، عورتوں اور مردوں کے مابین کٹناپن کرنا، حاکم سے لوگوں کی چغلی کھانا تاکہ وہ انہیں قتل کرے یا اُن کا مال لوٹ لے، دار الحرب سے ہجرت نہ کرنا، کفار سے موالات کرنا، جوا کھیلنا، جادو کرنا، یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

صغیرہ گناہ یہ ہیں: اوّل وہ کام جن سے کہ شریعت نے روک دیا ہے، دوسرے ایسے کام جن سے شریعت کے مقرر کیے ہوئے احکام کی مخالفت ہوتی ہو یا پھر ایسے امور کہ اُن کے کرنے سے دین کے طریقے بے اثر ہوتے ہیں۔

صحیح عقائد، اثباتِ نبوت، کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر ندامت کے بعد مرید کو ارکانِ اسلام کی بجا آوری پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ چنانچہ اُسے چاہیے کہ وہ طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ادا کرے اور وہ اس طرح کہ اُن کے واجبات، آداب، ان کی ہیئات اور اذکار کو ٹھیک طرح سرانجام دے۔ اس کے بعد مرید کو چاہیے کہ زندگی کی معاشی ضروریات یعنی اکل و شرب، بات چیت اور لوگوں سے ملنے جلنے نیز خانگی معاملات یعنی نکاح، غلاموں اور اولاد کے حقوق اور پھر خرید و فروخت، ہبہ اور اجارہ وغیرہ امور پر توجہ کرے اور ان کو بغیر کسی رُو رعایت اور کج روی کے سنت کے مطابق ادا کرے۔

معاشی اور گھریلو زندگی کی ضروریات کے بعد مرید کو اُن اذکار پر نگاہ رکھنی چاہیے جو صبح و شام اور سونے کے وقت وغیرہ کے لیے مقرر ہیں۔ پھر اُسے ریاکاری، غرور، حسد اور کینہ سے اپنے اخلاق پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نیز اُسے تلاوتِ قرآن اور آخرت کے ذکر کو برابر کرتے رہنا چاہیے۔ اُسے چاہیے کہ وہ علم کی مجالس، ذکر و اذکار کے حلقوں اور مساجد میں برابر حاضر ہو۔ جب مرید ان اعمال اور آداب میں راسخ ہوجائے تو پھر اس کے لیے باطنی اشغال کرنے کا وقت آتا ہے۔ اس سلسلے میں اسے چاہیے کہ وہ دل کو اللہ کے ساتھ وابستہ کرنے کی کوشش کرے اور اپنے دل کی نظریں برابر اسی کی طرف لگائے رکھے۔ ان تمہیدی امور کو ہم طوالت کے خوف سے یہاں بیان نہیں کرتے اور طالب صادق کے فہم پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ کتاب، سنت، فقہ، تصوف و سلوک کی درمیانی درجے کی کتابوں جیسے ''ریاض الصالحین'' اور عقاید کی مختصر کتابوں جیسے ''عقاید عضدیہ'' میں ان کو خود دیکھ لے۔ جو شخص خود ان کتابوں کو نہ دیکھ سکے، اُسے چاہیے کہ وہ کسی عالم سے ان اُمور کو دریافت کرے۔ (القول الجمیل)

محبت کیا ہے؟

☆ وفاداری پر زیادہ نہ ہو۔

☆ جفا کرنے پر کم نہ ہو۔

☆ متقی وہ شخص ہے جو ہر وقت دوسروں کا نہیں، اپنا احتساب کرتا ہے۔

☆ لڑکیاں خدا کا ہدیہ ہیں، جو انہیں خوش رکھتا ہے، اللہ اور رسولؐ ان سے خوش ہوتے ہیں۔

☆ جو عالم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہ دے، وہ عالم نہیں جاہل ہے۔

خلافت و امامت کی حقیقت

خلافت کے لغوی معنیٰ جانشینی اور اس کا اصطلاحی مفہوم آنحضرت ﷺ کی جانشینی حیثیت سے مطلق دینی اور دنیاوی امور میں فرمانروائی کا حق تھا خلیفہ کی شخصیت شرعی نقطہ نظر سے دینی اور دنیاوی معاملات میں فرمانروائی کی حامل تھی یہ فرمانروائی شریعت کے دستور اور قوانین کی پابند تھی۔

خلافت کا حقیقی مقصد ناموس اسلام کا تحفظ اور شرعی زاویہ نگاہ سے حکومت کے نظم و نسق کی تنظیم اور اس کا قیام تھا۔
(مقدمہ ابن خلدون،ص ۱۶۰)

تمدن واجتماع نوع انسانی کے لئے ضرور ہے اور ملک وسلطنت کے قیام سے بھی چارہ نہیں اور ملک وحکومت کا اقتضا ہے، قہر وتقلب، جن کو قوائے حیوانی وغضبی کا نتیجہ کہنا چاہیئے اس لئے اکثر صاحب سلطنت اور قہر مان ملک کے احکام ظالمانہ ہوتے ہیں اور زیردستوں پر جو روستم کرتا رہتا ہے تاکہ انہیں اپنے خاطرخواہ راستہ پر چلائے .... اس بنا پر اطاعت سے وہ منحرف ہوجاتے ہیں اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوجاتا ہے اس لئے اس قسم کے حالات کے متقاضی ایک ایسے قانون سیاست کے ہیں کہ رعایا اسے مفروض الطاعت تسلیم کرے اور بطیب صالح اس کے احکام کا مطیع ومنقاد رہے اگر کسی ملک میں ایسا قانون سیاست نہیں ہوتا تو آئے دن فتنہ وفساد برپا رہتا ہے اور استیلائے سلطنت غایت وکمال کو نہیں پہنچتی "سنة الله في الذين خلوا من قبل" اب اگر قانون سیاست اکابرو عقلائے سلطنت نے مل جل کر بنایا اور بہبود ملکی کے لئے اسے ملک وسلطنت پرواجب اطاعت قرار دیا ہے، تو اسے سیاست عقلیہ کہینگے اور اگر یہ قانون اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی یا رسول کے واسطے سے عامہ خلائق تک پہنچایا ہے تو اسے سیاست دینیہ کہینگے یہ قانون الٰہی انسان کی دینی ودنیاوی دونوں فلاح کا ذریعہ ہوتا ہے۔ نہ محض اصلاح دنیا کا باعث کیونکہ دنیا تو خود عبث وباطل ہے۔

قانون دین کا اصل مقصود اصلاح دین ہے جس سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام شریعتیں عام انسانوں کو عبادت اور حسن معاملہ پر کاربند ہونے کا حکم دیتی ہیں یہاں تک کہ قاہر وجابر بادشاہوں کو بھی دین کے سیدھے راستہ پر لے آتی ہیں، اور شارع کی نگاہ میں چھوٹے اور بڑے برابر ہوتے ہیں اب جو کچھ ملوک وسلاطین قہر وتغلب اور قوائے غضبی کی تحریک سے کرتے ہیں وہ ظلم وستم سراسر مذموم اور قبیح ہوتا ہے کیوں کہ سیاست دینیہ باتوں کو بھی جائز نہیں رکھ سکتی اور جو کچھ اپنی سیاست اور احکام مقتضائے حکومت وسلاطین کر گزرتے ہیں وہ بھی قبیح ہے اس لئے کہ انسانی رائے اور سوچ، ہدایت ربانی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

ومن لم يجعل الله له نورا فماله من نور

کیونکہ شارع بعلم الٰہی مصالح خلائق کو خوب جانتا اور سمجھتا ہے اور امور آخرت جو دنیا کی آنکھوں سے غائب ہیں ان کی حقیقت کا علم اسے جیسا کہ کچھ ہے، ہوتا ہے اور وہ ان تمام مصالح کو پیش نظر رکھ کر ان کو ایک عام راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔

سیاست عقلیہ محض فلاح دینوی کے لئے ہے جس سے دنیا کی محض ظاہری باتیں معلوم ہوجاتی ہیں اور بس اور شارع کا مقصود ہے اصلاح آخرت اس لئے ضروری ہے کہ بتقاضائے شریعت عامہ خلائق دینی اور دنیاوی امور میں شریعت کے احکام کی کاربند رہے۔ جو لوگ منجانب اللہ اشاعت شریعت پر مامور ہوتے ہیں انہیں انبیاء اور رسول کہتے ہیں اور جو ان کے بعد ان کے قائم مقام ہوکر قانون کی حفاظت کرتے ہیں خلفا

کیے جاتے ہیں۔

خلیفہ کا کام حفظ دین وسیاستِ دنیا ہے کبھی کسی خلافت پر ہی امامت کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور جو اس نیابت کے فرائض کا بارگراں اپنے ذمہ رکھتا ہے خلیفہ وامام کہلاتا ہے امام اس لئے کہ جیسے نماز کے امام کا اتباع واقتدا ہوتا ہے اس کا بھی اتباع ہی ہوتا ہے بلکہ یہ امامت کبریٰ ہے اس لئے یہاں تو تمام احکامات میں اس امام کا اقتدا امت کو کرنا پڑتا ہے۔

(مقدمہ تاریخ ابن خلدون جلد دوم ص ۴۴)

تقرر امام یا خلیفہ

نبوت کی جانشینی کے لئے امامت (خلافت) لازمی ہے تاکہ دین کی حفاظت اور دنیا کا انتظام برقرار رہے کسی نہ کسی شخص کا امت میں اجتماع امت سے امام مقرر کیا جانا واجب ہے اس مسئلہ کا وجوب ازروئے عقل ثابت ہے یا ازروئے شرع، اس مسئلہ میں دورائے ہیں ایک کا خیال یہ ہے کہ یہ ازروئے عقل واجب ہے کیونکہ تمام ارباب خردفطری طور پر اپنے معاملات ایسے رہبر کے سپرد کردینا چاہتے ہیں جو انہیں ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکے اور مخاصمت باہمی میں فیصلہ کرے، اگر ذی اقتدار افراد نہ ہوں تو عالم میں شخصی اقتدار پھیل جائے گا اور تہذیب واجتماع کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

لایصلح الناس فوضی الاسراہ لهم

ولا سراۃ اذا جهالهم سادوا

ترجمہ: جب لوگوں پر ذی اقتدار لوگ نہ رہیں تو انہیں اقتدار شخصی کبھی مفید نہیں ہوتا اسی طرح جب جاہل سردار بن جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں ارباب اقتدار ہی نہیں ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس کا وجوب شرع سے بھی ثابت ہے اس لئے کہ امام احکام شرعیہ کو قائم کرتا ہے اور عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ ان کے زبردستی تسلیم کرائے جانے کا ارادہ نہ ہو اس لئے عقل سے اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا علاوہ بریں عقل اس بات کو ضروری سمجھتی ہے کہ ہر عاقل خود کو باہمی ظلم وعلیحدگی سے بچائے اور تقسیم حقوق ومیل جول میں متقضائے عقل کے بموجب عمل کرے مگر وہ اس وقت میں خود اپنی ہی عقل سے کام لے سکتا ہے دوسرے کی اسے ضرورت نہیں البتہ شریعت نے دین کے معاملہ میں تمام امور کی باگ ایک شخص مجاز کے تفویض کردی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یاایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اس کے رسول کی اور اپنے حکمرانوں کی۔

اس آیت سے اللہ نے اپنی اور رسول اور اپنے حکام کی اطاعت فرض کردی ہے اور یہ حکام وہ امام ہیں جو ہم پر مقرر کئے گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم پر حکام متعین ہوں گے، نیک اپنی نیکی کے ساتھ اور بد اپنی بدی کے ساتھ تم لوگ ان کے ہر اس حکم کی جو حق کے موافق ہو تعمیل کرو اگر وہ حکومت میں بھلائی کریں گے تو اس کا فائدہ تمہیں اور انہیں دونوں کو ہوگا اور اگر برائی کریں گے تو فائدہ تمہیں ہوگا اور اس کا وبال ان کے ذمہ ہوگا۔ (عن ابی ہریرۃؓ)

وجوب امامت

امامت کا وجوب ثابت ہے یہ اپنے حکم میں جہاد اور حصول علم کی طرح فرض کفایہ ہے اگر کوئی ایک امام بن گیا تو تمام لوگوں سے اس کی ذمہ داری ساقط ہوجائے گی اور اگر کوئی شخص اس ذمہ داری کو لینے کے لئے تیار نہیں تو اب لازمی طور پر جمہور میں سے دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک اہل اختیار جو کسی کو امام منتخب کریں دوسرے اہل امامت کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اس منصب کے لئے خود کو پیش

کرے ان کے علاوہ باقی قوم کے افراد پر امامت کے انعقاد کی تاخیر میں کوئی الزام نہیں۔

صفات امام:

صرف یہی دو قسم کے لوگ انعقاد امامت میں ضروری ہیں کہ اس بارے میں جن صفات کا ہونا ضروری خیال کیا گیا ہے وہ بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ اہل اختیار میں تین صفتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے پہلے حق شناسی مع اپنے پوری شرطوں کے دوسرے علم جس سے انہیں معلوم ہو کہ کون امامت کا اس کی تمام شرطوں کے ساتھ مستحق ہے تیسرے دانائی وفکر کیونکہ یہ باتیں بہترین اہلیت رکھنے والے آدمی کے انتخاب میں مد ہوتی ہیں۔

جو لوگ امام کے شہر میں سکونت رکھتے ہیں انہیں اس معاملے میں دوسرے شہریوں پر کوئی تفوق حاصل نہیں ہے مگر چونکہ یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ اس شہر کے باشندے ہی امام کے اختیار کرنے کے اہل سمجھے گئے ہیں اس لئے یہ حق نہیں محض رسماً حاصل ہوگا لیکن شرعاً اس کے جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ انہیں امام کی موت کا سب سے پہلے علم ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اکثر وبیشتر امامت کی اہلیت رکھنے والے اصحاب انہیں کے ہم وطن ہوتے ہیں۔

شرائط امامت

شرائط امامت:

امامت کی اہلیت کے لئے ان سات شرطوں کا ہونا ضروری سمجھا گیا ہے (پہلی) حق شناسی (اپنی تمام تر شرطوں کے ساتھ (دوسری) علم (امام ایسا عالم ہو کہ وہ عام ہدایات اور غیر معمولی واقعات کے وقت اجتہاد کر سکے) (تیسری) صحت حواس ونطق (چوتھی) صحت اعضا تا کہ وہ اسے حرکت سے نہ روکے اور بہ آسانی اٹھنے بیٹھنے میں خارج نہ ہو۔ (پانچویں) عقل وفراست (جو رعیت کی نگہبان اور مصالح ملکی کے روابط لانے میں معین ہو) (چھٹی) شجاعت ودلیری (جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے) (ساتویں) نسب (یعنی امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ قریش سے ہو کیوں کہ اس بارے میں نص موجود ہے) (الائمۃ من القریش)

دوسرے یہ کہ اس پر اجماع امت ہو چکا ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس کے محدود کئے جانے سے نقصان ہے اس لئے تمام لوگوں کو اس کا حق ملنا چاہئے۔ اس اعتراض کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا اور واقعہ سقیفہ بنی سعدہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی امامت کے بارے میں انصار کے سامنے جو وجہ ترجیح قرار دی تھی، اگرچہ وہ انصار سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اس حدیث کو انصار نے قبول کیا اور نہ کسی فرد نے انکار کیا بلکہ سچ سمجھا اور یہ ضرور کہا کہ ہم میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے ایک امیر ہو پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم امیر بنیں اور تم وزیر بنو تو انصار نے ان کی اس بات کو بھی منظور کرلیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ "قدموا قریشا ولا تقدموہا (قریش کو آگے کرو اور تم ان کے آگے مت ہو) یہ حکم مسلم ومتفق علیہ ہے۔

امام کے انتخاب کے دو طریقے ہیں

امام دو طریقے سے منتخب ہوتا ہے ایک یہ کہ اہل اختیار اسے منتخب کرلیں دوسرے یہ کہ سابقہ امام نے اسے اپنا ولی عہد بنایا ہو۔ پہلی صورت میں علما کا اہل اختیار کی تعداد میں اختلاف ہے علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جب تک شہر کے ارباب حل وعقد اسے اختیار نہ کریں امام نہیں ہوسکتا اس شرط کو وہ اس لئے ضروری سمجھتے ہیں تا کہ اس کی امامت کو سب لوگ پسند کریں اور متفقہ طور پر امامت کو اس کے سپرد کریں مگر حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کے واقعے سے یہ خیال دور ہوجاتا ہے کیونکہ جو لوگ وہاں موجود تھے صرف انہوں نے ہی آپ کو اختیار کرلیا تھا جو نہ تھے ان کی بیعت کا انتظار نہیں کیا گیا۔

امام کے تقرر کے لئے کم از کم پانچ آدمیوں کا ہونا ضروری ہے چاہے وہ وہ پانچوں کسی ایک پر متفق ہوجائیں، یا ایک کے مجوزہ امام کو باقی چار بھی تسلیم کرلیں حضرت ابوبکرؓ کی

بیعت کا واقعہ کہ پہلے صرف پانچ آدمیوں نے جن میں حضرت عمرؓ، ابوعبیدہؓ ابن الجراحؓ، اسید بن حضیرؓ، بشر بن سعدؓ اور سالم ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام شامل تھے آپ کی امامت پر اجماع کیا پھر اوروں نے ان کی تقلید کی، دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے چھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ وہ اپنے میں سے ایک کو دوسرے پانچ صاحبوں کو رضامندی سے امام مقرر کریں اکثر فقہا اور بصرے کے متکلمین کا یہی مذہب ہے البتہ علمائے کوفہ کہتے ہیں کہ امامت کے انعقاد کے لئے تین آمیوں کا ہونا بھی کافی ہے کہ انہیں سے ایک دوسرے دو کی رضامندی سے امام ہوتا کہ ایک حاکم اور دو گواہ ہوں جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے علما کی ایک جماعت کا یہ بھی خیال ہے کہ امام صرف ایک شخص کی بیعت سے بھی منتخب ہوجاتا ہے، کیوں کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تم اپنا ہاتھ لاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں جب لوگ تذکرہ کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا نے ان کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس بنا پر کوئی بھی تمہاری امامت میں اختلاف نہ کرے گا علاوہ بریں امامت بمنزلہ حکم کے ہے اور حکم تو ایک شخص کا ہی نافذ ہوتا ہے۔

ارباب حل وعقد کے فرائض امام کے انتخاب میں:

جب ارباب حل و عقد امام کو مقرر کرنے لگیں وہ سب سے پہلے اپنے میں سے امامت کی اہلیت رکھنے والے اشخاص کے حالات پر غور کریں گے، کہ ان میں امامت کی کون کون سی شرطیں موجود ہیں اور ان میں سے اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو سب سے زیادہ اہل ہوگا، اور اس میں تمام شرطیں سب سے زیادہ کامل شکل میں موجود ہوں گی اور جس کی اطاعت کو عام لوگ فوراً قبول کرلیں گے اس میں کسی قسم کی خفت محسوس نہیں کریں گے جب جماعت میں سے ایسا شخص انہیں مل جائے گا وہ اس اہم منصب کو اس کے سامنے پیش کریں گے اگر اس نے اسے اپنے ذمے لینے پر رضامندی ظاہر کی تو یہ لوگ فوراً اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے اور اس کے ساتھ ہی وہ امام بن جائے گا اور اب تمام لوگوں کے لئے ضروری ہوجائے گا وہ بھی اس کی بیعت کریں اس کی اطاعت کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔

اگر اہل امام اس کے قبول کرنے سے انکار کردے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا، اور اس صورت میں امامت دوسرے مستحق کے سامنے پیش کی جائے گی۔

اگر امامت کی تمام شرطوں دو شخصوں میں مساوی طور پر موجود ہوں تو ایسی صورت میں جو صاحب عمر میں بڑے ہوں گے انہیں مقرر کیا جائے گا اگر چہ بالغ ہونے کے بعد زیادتی عمر شرط امامت میں داخل نہیں۔ چنانچہ اگر ایسی صورت میں کسی کمسن کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے، تو وہ بالکل جائز ہے۔

اگر دو صاحبوں میں سے ایک زیادہ عالم اور دوسرا زیادہ شجاع ہو تو اس صورت میں ضرورت وقتی کا لحاظ کیا جائے گا اگر بغاوتوں کی اشاعت اور سرحدوں کی حفاظت کی وجہ سے شجاعت کی ضرورت داعی ہوگی تو جو زیادہ شجاع ہے اسے ترجیح دی جائے گی۔ اگر امن وامان ہو اور اہل بدعت ظاہر ہورہے ہوں تو اسی صورت میں علم کی زیادہ ضرورت ہوگی اور جو زیادہ عالم ہوگا اسے اپنے مقابل پر ترجیح دی جائے گی۔

ایسے دو شخصوں میں سے اگر ایک کے امام بنائے جانے کا تصفیہ کیا گیا اور ان دونوں نے اس کے لئے جھگڑا کیا تو بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ اس قضیہ کی بنا پر وہ دونوں امامت سے محروم کردیئے جائیں گے۔ اور ان کے علاوہ کسی اور کا انتخاب کیا جائے گا، مگر جمہور علماء اس بات کو مانع امامت نہیں سمجھتے اور نہ امامت کی خواہش کو مکروہ جانتے ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو انتخاب امام کا حق دیا تھا انہوں نے اس کے لئے تنازع کیا مگر اس بنا پر کسی امیدوار کو اس سے محروم نہیں کیا گیا۔

اب اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب وہ شخص مساوی حقوق کے موجود ہیں تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیوں ترجیح دی جائے، اور کیسے فیصلہ ہو صورت یہ

ہے کہ دونوں میں قرعہ اندازی کی جائے گی جس کا نام نکلے گا اس کو ترجیح دی جائے گی ورنہ یہی ہے کہ اہل اختیار بالکل اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ بغیر قرعہ اندازی جس کے ہاتھ پر چاہیں بیعت کرلیں۔

اگر اہل اختیار نے کسی ایک شخص کو جو ان کے نزدیک تمام قوم میں بہترین تھا امام بنالیا اور اس کی بیعت کے بعد ایک اور شخص ایسا نکل آیا جو اس سے بھی بڑھ کر ہے تو ایسی حالت میں جس شخص کے لئے انہوں نے بیعت کرلی ہے وہی نافذ رہے گی اور اب یہ نہیں ہوسکتا کہ امامت کو اس سے چھین کر دوسرے کے سپرد کردیا جائے اب اگر افضل فرد کے ہوتے ہوئے انہوں نے اس سے کمتر درجے کے آدمی کو بنالیا ہے تو اس صورت کے نفاذ وعدم نفاذ میں بحث ہے، یہ دیکھا جائے گا کہ کون سی ضرورت اس کی داعی ہوئی اگر انہوں نے اس لئے اس کا انتخاب کیا تھا کہ جو شخص اس سے بھی افضل تھا وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھا، یا مریض تھا یا یہ کہ جس کم درجہ شخص کو انہوں نے امام بنایا ہے عوام اس کے زیادہ گرویدہ ہیں اور وہ ان میں زیادہ مقبول ومحبوب ہے تو یہ بیعت نافذ ہے اور اس کی امامت میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔

اگر ان وجوہ کے بغیر بیعت کی گئی ہے تو اس کی نفاذ میں اختلاف ہے اس کے متعلق ایک گروہ کا جس میں جاحظ بھی ہے یہ خیال ہے کہ اس کی بیعت صحیح نہیں اور وہ باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ اختیار کے معنی ہیں وہ باتوں میں سے بہتر بات کو اختیار کرنا اور زیادہ اہل کے ہوتے ہوئے اس کے ماسوا کا اختیار بغیر کسی وجہ کے کسی طرح جائز نہیں جیسا کہ احکام شرعیہ میں اجتہاد کے متعلق حکم ہے، مگر اکثر فقہا اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اس کی امت جائز اور بیعت کامل ہے اور ایک افضل شخص کی موجودگی اس سے کمتر درجے والے کی امامت کے لئے بشرطیکہ اس میں امامت کے شرائط پوری طرح پائے جاتے ہوں مانع نہیں اسکی مثال قضاۃ کے تقرر سے دی جاتی ہے کیونکہ وہاں ایک افضل شخص کے ہوتے ہوئے کمتر درجے کے شخص کی قضات جائز ہے اس لئے کہ افضلیت وجہ ترجیح بن سکتی ہے، مگر شروط استحقاق میں اس کا اعتبار نہیں۔

اگر ایک وقت میں صرف ایک آدمی ہی میں امامت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں تو اس کے لئے امامت متعین ہوگی کسی دوسرے کو امام نہیں بنایا جاسکتا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا باضابطہ بیعت اور انتخاب کے بغیر بھی اس کی امامت وحکمرانی ثابت ہوگی یا نہیں، بعض فقہائے عراق کا خیال ہے کہ ان باتوں کے بغیر بھی اس کی امامت ثابت اور حکمرانی نافذ ہوگی اور تمام امت کو اس کی اطاعت کرنا چاہئے کیونکہ ارباب حل وعقد کے اختیار وانتخاب کا مقصد یہ ہے کہ سب سے زیادہ اہلیت رکھنے والا شخص برسر کار آنے کے لئے نمایاں ہو مگر جب یہ بات خود اس کے ذاتی صفات سے نمایاں ہوگئی تو باضابطہ انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔ مگر جمہور فقہا اور متکلمین کہتے ہیں کہ جب تک اس کا باقاعدہ انتخاب نہ کیا گیا ہو اور اسے لوگوں نے پسند نہ کرلیا ہو، اس کی امامت صحیح نہیں، ہاں البتہ یہ بات اہل حل وعقد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اب باضابطہ طور پر بھی اس کا انتخاب کرکے اس کے لئے امامت کی بیعت لیں۔ اگر سب نے اتفاق کرلیا تو اس کی امامت مکمل ہوگئی۔ امامت ایک عہد ہے جو بغیر کسی سپرد کرنے والے کے انعقاد ہی نہیں ہوتا اس کی مثال بھی فقہاء کی جیسی ہے کہ ہر چند ایک ہی شخص اس کی اہلیت رکھتا ہو مگر وہ خود بخود تاوقتیکہ کوئی اور اسے مقرر نہ کرے قاضی نہیں بن جاتا مگر اس کے متعلق بھی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر ایک ہی شخص میں تمام صفات قضا موجود ہوں تو خود بخود قاضی بن جائے گا، جیسا کہ وہ شخص جس میں تمام صفات امامت موجود ہوں امام بن جاتا ہے مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا شخص خود بخود قاضی نہیں بن سکتا، البتہ امام بن جاتا ہے، کیونکہ قضا ایک شخص کی نیابت ہے اور باوجودیکہ قاضی میں تمام صفات موجود رہیں، قضا اس سے علیحدہ کرکے دوسرے کو دی جاسکتی ہے، اس لئے کوئی شخص اس وقت تک قاضی نہیں

ہوسکتا جب تک اسے وہ شخص جس کی یہ نیابت کرے گا، اسے اس منصب پر فائز نہ کرے۔ بر خلاف اس کے امامت ان تمام فرائض میں سے ہے جن میں اللہ اور بندوں کا مشترک حق ہے اسی بنا پر جب یہ ایک مرتبہ کسی کا طغرائے اعتبار بن جاتی ہے تو جب تک اس کا حامل ان صفات معہودہ سے متصف رہے گا کوئی اس منصب جلیلہ کو اس سے چھین نہیں سکتا اور اسی بنا پر جب کسی شخص مین اس کے تمام صفات موجود ہوں تو اس کو کسی باضابطہ تقرر یا انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں۔

ایک وقت میں دو امام جائز نہیں

اگر دو شہروں میں دو امام بنائے گئے تو ان دونوں کی امامت باطل ہے، کیونکہ وقت واحد میں امت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے۔ بعض نے اس اصول سے اختلاف کیا ہے اور ایسی صورت میں امامت کو جائز قرار دیا ہے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے کون امام تسلیم کیا جائے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ وہ شخص جو امام سابق کے شہر میں امام بنایا گیا ہو اس کی امامت ثابت رہے گی کیونکہ امام کے ہم وطن اوروں کی بہ نسبت انتخاب امام کے زیادہ مستحق و اہل ہیں۔ باقی تمام دوسرے شہروں کے باشندوں کو چاہیے کہ وہ اس کام کو انہیں کے سپرد کردیں اور جب وہ کسی کو امام بنالیں تو یہ بھی اس کو تسلیم کرلیں تاکہ اختلاف رائے اور تباین خواہش سے نظام ملت میں خلل نہ واقع ہو۔

مذکورہ بالا اگر صورت پیش آئے تو ان دونوں اماموں کو چاہئے کہ وہ امامت سے خود علیحدہ ہوجائیں اور اسے اہل اختیار کے سپرد کردیں تاکہ فتنہ و فساد برپا نہ ہونے پائے اور اہل حل و عقد کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو ان میں سے ایک کو امام بنالیں یا کسی اور کا انتخاب کرلیں۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ تناسب سے بچنے کے لئے قرعہ اندازی کی جائے جس کے نام قرعہ نکلے اس کی امامت ثابت رہے گی۔ مگر صحیح مسلک دوسرا ہے اور محققین فقہا کا مذہب یہی ہے کہ جس کے ہاتھ پر پہلے بیعت کی گئی ہے اسی کی امامت درست وثابت ہے اس کی مثال ان دوولیوں کی ہے جنھوں نے ایک عورت کو دو آدمیوں کے نکاح میں دے دیا ہو تو اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی بیوی رہے گی جس کے نکاح میں وہ پہلے دی گئی ہے جب یہ بات معلوم ہوجائے کہ کس کے لئے پہلے بیعت کی گئی ہے تو اسی کی امامت برقرار رہے گی اور دوسرے امام کو چاہئے کہ وہ خود امامت کو پہلے کے سپرد کر کے خود بھی اس کی بیعت کرلے۔ اگر ایک ہی وقت میں دو شخصوں کو امام بنایا گیا اور کسی کی سبقت ثابت نہ ہوسکے تو دونوں کی امامت باطل اور اب نئے سرے سے ان میں سے کسی ایک کے لئے یا ان کے سوا کسی اور کے لئے بیعت لی جائے اگر بیعت ایک کے لئے پہلی لی گئی مگر اب پتہ نہیں چلتا کہ کون پہلے ہے تو جب تک اس کی اصلیت معلوم نہ ہو ان دونوں کی امامت موقوف رہے گی اگر ہر ایک نے اپنی اپنی سبقت کا دعویٰ کیا تو اس کا دعوے مسموع نہ ہوگا اور نہ اس پر اس سے قسم لی جائے گی کیونکہ یہ صرف اسی کا حق نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا حق ہے اس میں نہ اس کی قسم کو دخل ہے اور نہ اس پر خود اس کی علیحدگی کا کوئی اثر ہوسکتا ہے اسی طرح جھگڑے کو مٹانے کے لئے ان میں سے ایک شخص امامت کو دوسرے کے سپرد کرے تو اس کی امامت تاوقتیکہ اس بات کی شہادت درست نہ ہو کہ اسی کے لئے بیعت پہلے کی گئی تھی، ثابت نہیں بالفرض اگر ایک نے دوسرے کے متعلق اس قسم کا اقرار بھی کیا۔ تو یہ دوسرے کے حق کے ثبوت کے لئے ناکافی ہے البتہ خود اس اقرار کرنے والے کا امامت کے لئے اس اقرار کے بعد کوئی حق نہ رہے گا اس لئے کہ اس کا یہ اقرار اس حق کے متعلق ہے جو عام مسلمانوں کا ہے اگر اس شخص کے بیان کی تائید میں جس سے دوسرے کی سبقت کا اقرار کیا کسی اور نے بھی شہادت دی تو اس کی یہ شہادت اس وقت قبول کی جائے گی جبکہ امامت کے لئے تنازع کے وقت مستعفی نے بیعت کے تسابق میں اپنا

اشتباہ ظاہر کیا ہو اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا ہے تو اس دوسرے شاہد کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں مستعفی کے بیان میں تناقض ہوگیا۔

جانشینی جائز ہے

امام وقت اگر جانشین مقرر کردے تو اس کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل بھی رہا ہے اور وہ اسے ناجائز نہیں سمجھتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کردیا اور مجرد حضرت ابوبکرؓ کے فرمان کی بنا پر تمام مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی امامت کو تسلیم کرلیا۔

حضرت عمرؓ نے امامت کو اہل شوریٰ کے سپرد کردیا اور اہل شوریٰ نے جو اس وقت کے تمام مسلمانوں میں سربرآوردہ تھے اس تجویز کی صحت کی بنا پر اس میں شرکت قبول کرلی۔ باقی صحابہ اس سے نکل گئے چنانچہ جب حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ان کی شرکت پر ڈانٹا تو انہوں نے کہا کہ یہ انتخاب امامت مسلمانوں کا ایک نہایت ضروری کام تھا میں کسی طرح اس سے علیحدگی نہیں رہ سکتا تھا اس صورت میں امامت کے متعلق جو عہد کیا جائے وہ حکم میں اس عہد کے ہوگا جو اجماع امت سے ہوتا ہے۔

جب امام اپنی زندگی میں کسی کو اپنا ولی عہد بنانے لگے تو اس کو چاہیے کہ ایسے شخص کا انتخاب کرے جو سب سے زیادہ مستحق ہو اور جس میں تمام شرائط امامت مکمل طور پر موجود ہوں جب اس کی نظر انتخاب ایک ہی شخص پر جم جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ شخص امام کا بیٹا یا باپ تو نہیں ہے اگر وہ نہ ہو تو امام کے لئے تن تنہا ایسے شخص کو اپنا ولی عہد بنا لینا جائز ہے اور اس کی بیعت بھی ثابت رہے گی چاہے امام نے اہل حل وعقد سے اس کے تقرر پر اپنی رضامندی کا اظہار اس کی بیعت کے انعقا کے لئے شرط ہے یا نہیں، بصرے کے بعض علما کی رائے ہے کہ اہل حل وعقد کی رضامندی ضروری ہے جب تک وہ اس کے تقرر کو منظور نہ کریں امت کے لئے اس کی بیعت کرنا لازمی ہے کیونکہ انتخاب امام تمام مسلمانوں کا حق ہے اور تاوقتیکہ اہل حل وعقد ولی عہد خلافت کو منظور نہ کریں عام مسلمانوں کا اس کا تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے مگر اس مسئلے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ اس کی بیعت منعقد ہوجائے گی اور پسند یا عدم پسند کا اس میں اعتبار نہیں کیا جائے گا کیوں کہ حضرت عمرؓ کی بیعت صحابہ کی پسند پر موقوف نہ تھی اس پر دلیل یہ ہے کہ اس بارے میں امام تمام امت سے زیادہ انتخاب امام کا مستحق ہے اور جسے وہ اپنا جانشین پسند کرے اس کی بیعت زیادہ نافذ اور عمل پذیر ہے اگر ولی عہد بیٹا یا باپ ہو تو مجرد امام کے اس کو اپنا جانشین بنا لینے کے جواز اور عدم میں تین مذہب ہیں ایک مذہب یہ ہے کہ تاوقتیکہ امام نے اہل حل وعقد سے اس کے لئے مشورہ نہ لے لیا ہو اور انہوں نے اس کی اہلیت نہ دیکھ لی ہو یہ بیعت جائز نہیں البتہ جب اہل حل وعقد بھی اس میں شریک رہے ہوں تو اس وقت بیٹے یا باپ کی ولی عہدی جائز ونافذ ہوگی کیوں کہ اگر امام اپنے بیٹے یا باپ کو ولی عہد بنائے گا تو اس کا یہ فعل اس ولی عہد کے حق میں تو بمنزلہ حکم ہوگا تو اب امام کے لئے یہ دونوں صورتیں اس لئے ناجائز ہیں کہ میلان فطری کی وجہ سے اس پر جانب داری کا الزام عائد ہوسکتا ہے۔

امام باپ کو بھی ولی عہد کرسکتا ہے

دوسرا مذہب یہ ہے کہ بیٹے اور باپ دونوں کے لئے اس کا عہد نافذ وجائز ہے کیوں کہ وہ امت کا امیر ہے اس کا ہر حکم امت کے لئے واجب الاذعان ہے اس سے معلوم ہوا کہ عہدے کے اختیارات رجحانات نسبی پر غالب ہیں اور چونکہ اب تک اس کی امامت پر کسی خیانت کا اتہام نہیں لگایا گیا اس لئے اس سے اختلاف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے تو اس کا اپنے بیٹے یا باپ کو ولی عہد بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کسی غیر کو بنادیا اب ولی عہد کے تقرر کے صحیح ہونے کے بعد تمام امت کے لئے اس کی بیعت اہل حل وعقد کی پسند پر محول نہیں

رہی گی اس کی دونوں صورتیں ہم نے پہلے بیان کردی ہیں۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ امام کا خود تنہا باپ کو اپنا ولی عہد بنانا جائز ہے۔ بیٹے کو نہیں کیونکہ یہ انسان کا فطری خاصہ ہے کہ اس کی طبیعت باپ کے مقابلے میں بیٹے کی جانب زیادہ مائل ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ حاصل کرتا ہے وہ بیشتر بیٹے کے لئے جمع کرتا ہے نہ کہ باپ کے لئے۔

امام کا اپنے بھائی، عزیز، یارشتہ دار کو اپنا ولی عہد بنانا اسی طرح جائز ہے جس طرح کسی غیر کو۔

جب امام کسی ایسے شخص کو جس میں امامت کے تمام شرائط معتبرہ موجود ہوں اپنا ولی عہد مقرر کردے تو یہ تقرر اس کے قبول کرنے پر موقوف رہے گا اس میں اختلاف ہے کہ زمانہ قبول کون سا ہو، ایک مذہب یہ ہے کہ موجود امام کی موت کے بعد کا زمانہ ہے کیونکہ اسی وقت ولی عہد امامت کو اس منصب کے قبول یا انکار کا حق معتبر حاصل ہوگا دوسرا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح ہے کہ جس وقت امام نے ولی عہد مقرر کیا اس وقت سے اس کی وفات تک کا زمانہ ہے کیونکہ اگر ولی عہد اس کے قبول کرنے سے انکار کردے تو امامت پھر اسی امام کی طرف منتقل ہوجائے گی کہ اس وقت اپنے سابقہ قبول کی وجہ سے اس کا حامل ہے۔

ولی عہد کی معزولی کے شرائط:

کسی امام کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ولی عہد کو تاوقتیکہ اس کا حال نہ بدل جائے معزول کردے اگر چہ امام کو اس کا حق ہے، کہ اگر وہ اپنے قائم مقاموں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کرے تو اسے معزول بھی کردے کیونکہ امام نے ان لوگوں کو اپنا شخصی قائم مقام بنایا ہے تو وہ انہیں معزول بھی کرسکتا ہے۔ برخلاف اس کے ولی عہد امامت عام مسلمانوں کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، اسے امام معزول نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اہلِ حل و عقد کسی ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد تاوقتیکہ اس کے حال میں تغیر نہ واقع ہوجائے، اسے معزول نہیں کرسکتے۔

بالفرض اگر امام نے ایک ولی عہد کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کیا تو دوسرے کا تقرر باطل سمجھا جائے گا اور پہلے کی بیعت بدستور قائم و ثابت رہے گی۔ اگرچہ پہلے نے خود ہی علیحدگی کیوں نہ اختیار کرلی ہو۔ تب بھی دوسرے کے لئے بیعت اس وقت صحیح ہوگی جب کہ از سر نو اس کے لئے بیعت لی جائے۔

ولی عہد کا استعفاء امام کی منظوری پر خاص صورتوں میں منحصر ہے:

اگر کسی ولی عہد نے اپنے منصب سے استعفا دے دیا تو جب تک اس کا استعفا منظور نہ کرلیا جائے، وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ ذمہ داری اس پر امام کی جانب سے عائد کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ آیا کوئی اور ایسا ہے جس میں اس عہدے کی قابلیت ہو؟ اگر ایسا شخص موجود ہو تب اگر اس کا استعفا امام منظور کرلے تو وہ بری الذمۃ ہوجائے گا۔ اگر کوئی اور اہل موجود نہ ہو تو اس کا استعفار جائز ہے اور نہ امام کو اس کے قبول کرنے کا حق ہے اور اس صورت میں یہ ذمہ داری جانبین سے اس پر عائد رہے گی امامت کے شرائط ولی عہد میں اس کے تقرر کے وقت ہی معتبر سمجھے جاتے ہیں، اگر کوئی ولی عہد تقرر کے وقت کم سن یا فاسق ہے اور امام کے مرنے کے وقت وہ بلوغ کو پہنچ گیا یا نیک روش ہوگیا تو تاوقتیکہ اہل حل و عقد تجدید بیعت نہ کریں اس کی خلافت صحیح نہیں۔

اگر امام نے ایسے شخص کو ولی عہد مقرر کیا جو اس کے سامنے نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ بھی ہے یا نہیں تو عہد خلافت درست نہیں اور اگر یہ بات معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے ااور اس تقرر کا نفاذ اس کے آنے پر موقوف ہے تو اس صورت میں اگر امام اپنے ولی عہد کی غیبت ہی میں مر جائے تو اہل حل و عقد اسی کو ترجیح دیں گے اگر اس کے آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ کو ضرر پہنچنے لگا تو اہل حل و عقد کسی اور کو اس کا نائب بنالیں گے مگر اسے مستقلاً خلیفہ نہیں بناسکتے اور جب یہ مستقل خلیفہ آجائے گا

تو وہ نائب اپنی خدمت سے علیحدہ ہوجائے گا خلیفہ کے آنے سے پہلے جو ہدایات و احکام اس نے دیئے ہوں گے وہ نافذ العمل رہیں گے اور جو ہدایات اس کے آنے کے بعد دے گئے ہوں گے وہ نافذ العمل نہ سمجھے جائیں گے۔

ولی عہد اپنا ولی عہد امام کی حیات میں نہیں بنا سکتا:

اگر ولی عہد نے خلیفہ کی موت سے پہلے اپنی ولایت عہد کسی اور کو دینا چاہی تو جائز نہیں کیوں کہ وہ موجودہ خلیفہ کے مرنے کے بعد خلیفہ ہوگا اور تب اسے اس بات کا حق ہوسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی ولی عہد کسی سے کہے کہ جب میں خلیفہ ہوجاؤں گا تو اسے اپنا ولی عہد بناؤں گا تو اس سے اس کا حق ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ جب وہ اس سے ایسا کہہ رہا ہے اس وقت وہ خلیفہ ہی نہیں ہے اس لئے اس کا کسی کو عہدہ خلافت دینا درست نہیں۔

خلعِ خلافت:

اگر کسی خلیفہ نے خود منصب خلافت سے خلع کردیا تو اب ولی عہد خلیفہ ہوگا اور یہ علیحدگی منزلہ موت کے سمجھی جائے گی۔ اگر کسی خلیفہ نے اپنے دو ولی عہد مقرر کیئے مگر کسی کو دوسرے پر مقدم نہ رکھا تو ایسا کرنا جائز ہے اور اب اہل حل و عقد خلیفہ کے مرنے کے بعد ان دونوں میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں گے جیسا کہ اہلِ شوریٰ نے کیا کیونکہ حضرت عمرؓ نے خلافت کو چھ شخصوں میں ان کے لئے محدود کردیا تھا۔

خلیفہ کے انتخاب میں حضرت عمر کا مسلک:

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عمر کو بہت بے چین پایا اور وہ فرمانے لگے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خلافت کے بارے میں کیا کروں۔ میں نے کہا آپ علی کو دیجئے، فرمایا بے شک وہ اس کے اہل ہیں مگر ان میں ظرافت ہے۔ بنا بریں میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہارے خلیفہ ہوگئے تو وہ تمہیں بالکل ظاہری شریعت پر چلائیں گے جیسے تم جانتے ہو۔ میں نے کہا پھر آپ عثمان کو دیجئے۔ فرمایا اگر میں ایسا کروں تو ابی معیط کا بیٹا (مروان) لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوجائے گا، تمام عرب عثمان سے ناراض ہوجائیں گے بلکہ ان کو قتل کردیں گے، پھر فرمایا بخدا اگر میں عثمان کو خلیفہ مقرر کردوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مروان کی حکومت ہوجائے گی اور اس صورت میں ضرور عربوں میں ایسی زبردست شورش پیدا ہوجائے گی کہ وہ عثمان کو قتل کردیں گے۔ پھر میں نے کہا طلحہ کو کہہ دیجئے۔ فرمایا وہ مغرور ہیں۔ اللہ باوجود جاننے کے کبھی انہیں امت محمدؐ کا حکمران نہیں بنائے گا۔ میں نے کہا: زبیرؓ فرمایا بیشک وہ بہادر ہیں مگر بازار میں نرخ اشیاء دریافت کرتے پھرتے ہیں کیا ایسا شخص مسلمانوں کا حکمران بن سکتا ہے۔ پھر میں نے سعد بن ابی وقاص کا نام لیا۔ فرمایا وہ اس کے اہل نہیں وہ ایک سپاہی ہیں سیاست میں دخل نہیں۔ پھر میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا۔ فرمایا: بیشک تم نے اچھے آدمی کا ذکر کیا مگر وہ بہت سن رسیدہ ہوگئے ہیں۔ اے ابن عباسؓ! خلاف کا وہ شخص اہل ہے جو قوی ہو مگر سخت نہ ہو مسکین مزاج ہو مگر کمزور نہ ہو، خرچ کرنے میں محتاط ہو مگر بخیل نہ ہو۔ سخی ہو مگر مسرف نہ ہو۔ (السیاست والامامت ابن قتیبہ دینوری)

حضرت عثمان کے انتخاب کا واقعہ:

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب آپ کو ابولولوء نے زخمی کیا اور طبیب آپ کی زندگی سے مایوس ہوگیا تو صحابہ نے آپ سے کہا کہ خلافت کے متعلق ہمیں حکم دیجئے۔ آپؓ نے اس معاملے کو چھ آدمیوں پر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ خلافت علیؓ کے لئے ہے اور ان کے مقابلے پر زبیرؓ ہیں، عثمان کے لئے ہے اور ان کے مقابلے پر عبدالرحمٰن ابن عوف ہیں۔ طلحہ کے لئے ہے اور ان کے مقابلے پر سعد بن ابی وقاص ہیں۔

چنانچہ عمرؓ کی وفات کے بعد جب شوریٰ ہونے لگا تو عبدالرحمٰن نے کہا: اپنے اپنے حق سے تین آدمیوں کے لئے دست بردار ہوجاؤ۔

زبیرؓ نے کہا میں نے اپنا حق علی کو دیا۔ طلحہؓ نے کہا میں نے اپنا حق عثمان کو دیا، سعد نے کہا میں نے اپنا حق عبدالرحمٰن کو دیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: کیا آپ حضرات اس حق انتخاب کو

میرے سپرد کرتے ہیں اس شرط پر کہ میں خود اپنے حق خلافت سے دست بردار ہوجاتا ہوں اور خدا اس پر گواہ ہے کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ اپنی خیر اندیشی میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، دونوں صاحبوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا اچھا میں نے اسے قبول کیا اس طرح شوریٰ پہلے چھ سے تین پر محدود ہوا اور پھر تین سے بھی صرف دو یعنی علیؓ و عثمانؓ میں منحصر رہ گیا کہ ان میں سے کسے خلافت دی جائے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن لوگوں کی رائے دریافت کرنے چلے گئے۔ جب رات ہوگئی تو انہوں نے مسور بن مخرمۃ کو بلایا اور اپنے ساتھ انہیں بھی شریک کرلیا۔ پھر ان دونوں صاحبوں سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی اور دونوں نے یہ عہد لے لیا کہ اگر وہ خلیفہ ہوا تو اسے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مطابق حکومت کرنا پڑے گی اور اگر ان میں سے ایک کے بجائے دوسرے کو کردیا گیا تو یہ اس کی پوری اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ جب یہ عہد لے لئے تو اب انہوں نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

شوریٰ:

تو یہ شوریٰ جس میں کہ اہل امامت داخل ہوئے اور اس پر سب نے اتفاق رائے کیا اصل میں امامت بالعہد کے انعقاد کا موجب ہوا اور نیز اسی سے ایک جماعت محدود کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے حق میں سے ایک کو ارباب حل و عقد کی پسند سے منتخب کرلیں۔ نیز جب اہل حل و عقد کی ایک تعداد متعین کردی جائے تو چاہے شوریٰ دو میں ہو یا اس سے زیادہ میں، دونوں کا حکم ایک ہی ہے نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ایسی صورت میں امامت اس کے علاوہ کسی اور کے تفویض نہیں کی جاسکتی۔

جب اہل اختیار نے ان میں سے کسی ایک کو امام بنالیا تو اس پر اس امام کو یہ حق ہوجائے گا کہ وہ ان لوگوں کے علاوہ اوروں کو ان کے امام کا حق دے دے۔

جب امام نے متعین تعداد کے لوگوں کا شوریٰ مقرر کردیا تو شوریٰ کو موجودہ امام کی زندگی میں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امامت کے لئے نامزد کردیں، البتہ اس کی اجازت سے ایسا کرسکتے ہیں کیونکہ اس وقت تو بحیثیت امام ہونے کے اسی کو اس کا حق ہے کہ وہ کسی کو اپنا ولی عہد بنائے اور اس حق میں اوروں کی شرکت جائز نہیں۔

اگر انہیں یہ خوف ہو کہ امام کی موت کے بعد خلفشار پیدا ہوجائے گا تو پہلے وہ اس سے اجازت لے لیں اور جب وہ اجازت دے دے تو پھر اپنے میں سے ایک کو نامزد کردیں۔

اگر امام کی زندگی سے مایوسی ہوگئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے ہوش و حواس جاتے رہے ہیں تو اس حالت کا وہی حکم ہے جو موت کا ہے۔ اس وقت اہل اختیار کو حق ہے کہ وہ ولی عہد امامت کا انتخاب کرلیں اور اگر اس کے ہوش و حواس بالکل درست ہیں تو پھر بغیر اس کی اجازت کے وہ انتخاب نہیں کرسکتے۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوکر اپنے مکان تشریف لائے تو آپ نے شور وغوغا سنا، پوچھا کیا ہے؟ بیان کیا گیا کہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی، ان لوگوں نے کہا امیر المؤمنین! آپ عثمان کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کردیجئے۔ آپ نے فرمایا بھلا ایسا شخص کیسے اس منصب کا اہل ہوسکتا ہے جو دولت کو بھی چاہے اور جنت کا بھی طلبگار ہو۔ یہ جواب سن کر یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے آئے۔ پھر ایک ہنگامے کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا کیا ہے؟ کہا گیا کہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اس جماعت نے کہا آپ علی کو ہمارا خلیفہ مقرر کرجائیں۔ آپ نے فرمایا: وہ تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں آپ پر جھک گیا اور میں نے کہا: امیر المؤمنین! پھر کیوں آپ علیؓ کو خلیفہ نہیں بنادیتے؟ آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تم زندگی اور موت دونوں میں اس طرزعمل کو برداشت کرلو گے!

خلیفہ ارباب اختیار کو مقرر کرسکتا ہے:

خلیفہ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ارباب اختیار کو بھی خود ہی مقرر کردے جس طرح اسے اہل امامت کے مقرر کرنے کا حق ہے۔ اس لئے انتخاب امامت کے معاملے میں اختیار ایسے ہی لوگوں کا تسلیم کیا جائے گا جس طرح کہ امامت انہیں لوگوں کی مانی جائے گی جنہیں خلیفہ نے نامزد کر دیا ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں اس کے منصب خلافت کے حقوق میں سے ہیں۔

امام کی مرضی سے کئی ولد عہد مقرر کرسکتے ہیں مگر ترتیب کا لحاظ رہے گا

اگر خلیفہ نے اپنے دو یا زیادہ جانشین نامزد کئے، ان میں ترتیب قائم ہے اور کہہ دیا کہ میرے بعد فلاں ہو اگر وہ مرجائے اس کے بعد فلاں اگر وہ بھی مرجائے تو پھر فلاں ہو تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے اور خلاف اسی ترتیب سے ان میں منتقل ہوتی رہے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کی مہم پر زید بن حارثہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہوجائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب امیر جیش ہوں گے، اگر وہ شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ امیر ہوں، اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو پھر خود مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں۔ چنانچہ زید معرکہ کارزار میں آگے بڑھے اور شہید ہوگئے اب جعفر نے علم لے لیا اور آگے بڑھے وہ بھی شہید ہوئے پھر عبداللہ بن رواحہ نے علم لے لیا اور آگے بڑھے وہ بھی شہید ہوئے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے خالد بن ولید کو اپنا امیر بنالیا تو جب امارت میں اس قسم کی نامزدگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بموجب جائز ہے تو اسی طرح خلافت میں بھی جائز ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ محض ایک تعین اور وقتی امارت کے متعلق ایک خاص حالت اور شرط کے ساتھ حکم دیا گیا تھا، حالانکہ اس قسم کی امارتوں کا انعقاد خاص خاص شرائط اور صفات پر موقوف ہے، اس لئے اس کا حکم خلافت کے انعقاد میں مؤثر نہیں اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ حکم ان مصالح عامہ میں سے ہے جس کی نظیر سے خاص تقررات اور نامزدگی میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ بنی امیہ اور بنی عباس ہر دو کے دور حکومت میں ایسا کیا گیا ہے مگر ان کے اس فعل پر معاصر علماء نے کوئی اعتراض نہیں کیا، سلیمان بن عبدالملک کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اس نے اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز کو ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اگر سلیمان کے پاس ایسا کرنے کی دلیل نہ بھی تھی تو بھی اس کے ایسے معاصر علمائے تابعین کا جو حق کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت پر اعتنا نہیں کرتے اس انتظام کو منظور کرلینا ہی اس کے جواز کی دلیل ہوگیا۔ ہارون رشید نے اپنے زمانے کے اکابر علمائے امت سے مشورہ کرکے اپنے تین بیٹوں امین، ماموں اور موتمن کو ترتیب وار ولی عہد خلافت مقرر کیا۔

جب خلیفہ نے علی الترتیب تین ولی عہد مقرر کئے اور وہ مرگیا اور یہ تینوں زندہ ہیں تو خلافت اس کے مرنے کے بعد اول کو ملے گی اگر اول خلیفہ کی زندگی ہی میں مرگیا تو اب خلیفہ کے بعد خلافت دوسرے ولی عہد کو ملے گی اگر اول اور دوسرا دونوں ولی عہد مرگئے تو تیسرے کو خلافت ملے گی کیونکہ خلیفہ نے اپنے بعد ان میں سے ہر ایک کو عہد خلافت دے دیا ہے۔

اگر خلیفہ مرگیا اور اس کے تینوں مقرر کردہ ولی عہد زندہ ہیں اور اب پہلا ولی عہد خلیفہ ہوگیا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں باقی ولی عہدوں کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی عہد مقرر کرے تو بعض فقہاء نے ایسا کرنے سے اس ترتیب پر جو ان میں خلیفہ سابق نے شامل کردی ہے منع کیا ہے البتہ صرف اس صورت میں اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا جبکہ ولی عہد خوشی سے اپنے حق سے دست بردار ہوجائے۔ سفاح نے منصور کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو اور اس کے بعد ازاں منصور نے مہدی کو عیسیٰ پر مقدم کرنا چاہا

تو خود عیسیٰ ابن موسیٰ نے اپنے حق خلافت سے دست برداری اختیار کی تب ایسا کیا۔ اس زمانے میں اگرچہ اکثر و بیشتر فقہائے امت موجود تھے مگر انہوں نے منصور کے لئے یہ بات جائز نہ سمجھی کہ وہ عیسیٰ کو محض اپنے حکم سے جبراً اس کے حق خلافت سے علیحدہ کردیے، بلکہ خود اس کی خوشی اور رضامندی سے اس کے حق سے استعفا لیکر مہدی کو ولی عہد بنایا مگر امام شافعی اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ولی عہدوں میں سے اب جو خلیفہ ہوا ہے اسے یہ حق ہے کہ وہ جسے چاہے اپنا ولی عہد بنالے اور اس کے ساتھ کے ولی عہدوں میں سے جسے چاہے حق خلافت سے علیحدہ کردے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ترتیب کا فائدہ صرف اس حد تک باقی رہے گا کہ ولی عہد مقرر کرنے والے کی موت کے بعد دیکھا جائے گا کہ ان ولی عہدوں میں سے اب کون خلافت کا مستحق ہے اور جب باعتبار ترتیب قائم کردہ ان میں سے کوئی ایک خلیفہ ہوگیا تو اب اپنے جانشین کے لئے اسے زیادہ حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے مقرر کردے، کیونکہ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد تمام اختیارات کلی و جزی اسے حاصل ہوگئے تو اب اسے ااس بات کا زیادہ قوی حق حاصل ہوگیا کہ وہ جسے چاہے ولی عہد مقرر کردے اور اسی کا تقرر اب زیادہ نافذ العمل ہوگیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش موتہ پر امرا کی جو ترتیب قائم کردی تھی وہ اس مابہ البحث حق کے خلاف ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بقید حیات تھے اور امت کے معاملات کسی اور کی جانب اس وقت تک مستقل نہیں ہوئے تھے، ان دونوں صورتوں میں ایک حکم اس وقت ہوتا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال نے معاملات امت کسی دوسرے کے تفویض ہوگئے ہوتے اور چونکہ ایسا نہیں ہوا تھا، اس لئے دونوں احکام کی ایک نوعیت قائم نہیں رہی۔

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے اس کے حق سے دست برداری کے اس لئے رضامندی حاصل کی تا کہ وہ اپنے خاندان کی تالیف قلوب کرے۔ کیونکہ بنی عباس کی سلطنت کو قائم ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا اور ان میں کا ہر شخص اپنے تئیں خلافت کا مستحق سمجھتا تھا اور وہ ایک دوسرے سے رقابت رکھتے تھے، اس لئے اس کا یہ فعل زیادہ تر سیاست ملکی پر مبنی تھا، حالانکہ اگر وہ خود ہی اسے حق خلافت سے علیحدہ کردیتا تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔

اس ترتیب کی بنا پر اگر ولی عہدوں میں سے پہلا ولی عہد خلیفہ ہونے کے بعد مرجائے اور اس نے باقی ولی عہدوں کے علاوہ کسی اور ولی عہد کو نہ کیا ہو تو اس کے بعد اب دوسرا ولی عہد پہلے ولی عہد کے بموجب خلیفہ ہوگا اور قائم شدہ ترتیب کی بنا پر اسے تیسرے پر مقدم کیا جائے گا۔ دوسرا کسی اور کو ولی عہد مقرر کئے بغیر مرگیا تو اب تیسرا ولی عہد خلیفہ ہوگا کیونکہ تقرر کرنے والے کے حق تقرر کی صورت س بات کو چاہتی ہے کہ اس کا تقرر تینوں کے لئے اس وقت تک سودمند ہو جب تک کہ اس کے بعد کسی نے اس کے اس تقرر کو کالعدم نہ کردیا ہو۔

ان تینوں میں سے اول کے لئے یہ تقرر قطعی ہے اور دوسرے دونوں کے لئے موقوف ہے، کیونکہ پہلے کو اس حق سے علیحدہ نہیں کیا اس لئے اس کے لئے قطعی ہوا اور مذکورہ بالا مذہب کے بموجب دوسرے اور تیسرے کو اس حق سے علیحدہ کیا جاسکتا ہے اس لئے ان دونوں کے لئے موقوف ٹھہرا۔

اگر ان تینوں میں سے پہلا خلیفہ ہونے کے بعد کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کئے بغیر مرگیا اور اہل حل و عقد نے ارادہ کیا کہ دوسرے ولی عہد کے بجائے وہ کسی اور کو خلیفہ بنالیں تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر اسی طرح دوسرا بھی خلیفہ ہونے کے بعد مرگیا تب بھی اہل حل و عقد کو تیسرے ولی عہد کے بجائے کسی اور کو خلیفہ بنانے کا حق نہیں۔ مگر دوسرے ولی عہد کے لئے خلیفہ ہونے کے بعد یہ جائز ہے کہ وہ تیسرے کے بجائے کسی اور کو اپنا ولی عہد بنالے مگر جب تک ایسا کیا نہیں گیا ہے اس وقت تک اہل حل و عقد تیسرے کو اس کے حق خلافت سے محروم نہیں کرسکتے، البتہ اگر تقرر کرنے والے

خلیفہ نے اپنے ولی عہد مقرر کرتے وقت یہ کہا کہ میں فلاں کو ولی عہد بناتا ہوں اور جب میرا ولی عہد خلیفہ ہوجائے تو پھر اس کے بعد فلاں خلیفہ ہو اس صورت میں دوسرے کی خلافت صحیح نہیں نہ اس سے وہ ولی عہد ہوا کیونکہ خلیفہ ہونے کے بعد اسے ولی عہد مقرر کیا ہے اور یہ ممکن ہے کہ وہ پہلا ولی عہد اپنے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی مرجائے تو اب اس کی خلافت کی بناء پر اس کا جو عہد موثق ہوتا وہ نہ ہوا اس لئے سرے سے اس کی ولیعہدی ہی درست نہیں اور پہلے ولی عہد کے لئے خلیفہ ہونے کے بعد یہ جائز ہے کہ وہ اس دوسرے کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی عہد مقرر کرلے اور اگر وہ بغیر تقرر کئے مرگیا تو اہل حل وعقد کو بھی اب یہ اختیار ہے کہ وہ اس دوسرے کے علاوہ بھی جسے چاہیں خلیفہ بنالیں۔

معرفت خلیفہ

جب کوئی شخص عہد سابق یا انتخاب کے ذریعہ سے خلیفہ متعین ہوجائے تو تمام امت کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ خلافت فلاں شخص کو دی گئی ہے جو اپنے صفات ذاتی کی بناء پر اس کا مستحق اور اہل ہو۔ تمام امت کے لئے خلیفہ کو خود دیکھنا یا اس کے نام سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے البتہ ان ارباب حل وعقد کے لئے اسے دیکھنا اور اس کے نام سے واقف ہونا ضروری ہے جن کے انتخاب کی بناء پر تمام امت پر خلیفہ کی اطاعت لازم ہوتی ہے اور جن کے بیعت کرنے سے خلیفہ قانونی طور پر سند خلافت پر متمکن ہے۔

سلیمان بن جریر کا قول ہے کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی معرفت ضروری ہے اسی طرح تمام امت کے لئے خلیفہ کو اپنے آنکھ سے دیکھنا، اس کے نام سے واقف ہونا ضروری ہے مگر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ معرفت تمام امت کے لئے بحیثیت مجموعی ضروری ہے، فرداً فرداً اس شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ امام خود دیکھے یا اس کے نام سے واقف ہو، البتہ خاص حوادث کے مواقع پر جس میں خلیفہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، اسے اپنی آنکھ سے دیکھنا اور اس کے نام سے واقف ہونا ضروری ہے۔ مگر امت کے ہر فرد پر امام کا خود دیکھنا اور اس کے نام سے واقف ہونا لازمی کردیا جائے تو تمام امت کو امام کی طرف ہجرت کرنا پڑے گی اور دور دراز ممالک کے باشندوں کا اپنے گھروں میں بیٹھا رہنا جائز نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں سب لوگ اپنے گھر بار خالی کرکے چلے آئیں گے اور یہ ایک بالکل انوکھی بات ہوگی جس سے فساد کا اندیشہ ہے۔

خلیفہ رسول اللہ ﷺ:

جب تمام امت کو خلیفہ کی معرفت ہوگئی تو اب تمام امت کو چاہئے کہ اپنے مصالح عامہ کلی طور پر بغیر اسے مشورہ دیئے یا اس سے معارضہ کئے اس کو تفویض کردیں تاکہ وہ انتظام و انصرام امور عامہ کے متعلق اپنے فرائض دینے لگے اور اسے ''خلیفہ'' کے نام سے پکارا جائے، کیونکہ وہ امت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا قائم مقام ہے۔ اسے خلیفہ رسول اللہ کہنا جائز ہے مگر عام طور پر صرف خلیفہ ہی کہا جاتا ہے۔

خلیفہ اللہ:

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اسے خلیفہ اللہ بھی کہہ سکتے ہیں؟ بعض لوگوں نے اسے اس بنا پر جائز رکھا ہے کہ وہ مخلوق خدا میں اس کے حقوق کو قائم کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے: "وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات" (ترجمہ) اور وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا اور بعض کو بعض پر کئی کئی درجے بڑھادیا۔

مگر جمہور علماء نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کہنے والے کو فاجر کہا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اس کا ہوتا ہے جو غائب ہو یا جسے موت آجائے۔ خداوند عالم نہ غائب ہوسکتا ہے اور نہ اسے موت آئے گی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لوگوں نے یا خلیفۃ اللہ کہہ کر پکارا۔ آپ نے فرمایا میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ ہوں۔

خلیفہ کے حسب ذیل دس فرائض ہیں:

پہلا: وہ دین کی حفاظت اس کے اصول مستقرہ اور سلف کے اجماع کے مطابق کرے۔ اگر کسی شخص نے مذہب میں کوئی بدعت نکالی یا کوئی متشکک اس سے علیحدہ ہوگیا تو خلیفہ کو چاہئے کہ وہ دلائل سے اس کے شبہ کو دور کردے جو حق بات ہے وہ اس کے ذہن نشین کردے اور فرائض و منہیات پر اسے کاربند کرے تاکہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور امت لغزشوں سے محفوظ رہے۔

دوسرا: جھگڑنے والوں میں احکام شرعیہ نافذ کرے اور مخاصموں کا فیصلہ کرے تاکہ انصاف کا دور دورہ ہو کوئی طاقتور دست تعدی دراز نہ کرنے پائے اور کوئی کمزور مظلوم نہ بنے۔

تیسرا: ملک کی حفاظت کرے اور دشمن سے اسے بچائے، تاکہ تمام لوگ اطمینان سے اپنی زندگی کے کاروبار میں مصروف ہوں اور بغیر جان و مال کے خطرے کے اطمینان سے سفر کرسکیں۔

چوتھا: حدود شرعیہ کو قائم کرے تاکہ جن باتوں کو اللہ نے محارم قرار دیا ہے ان کا کوئی شخص ارتکاب نہ کرے۔ نیز اس کے بندوں کے حقوق تلف و برباد نہ ہونے پائیں۔

پانچواں: سرحدوں کی پوری طرح حفاظت کرے کہ دشمن کو اس میں اچانک دراندازی کا موقعہ نہ رہے تاکہ مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں محفوظ رہیں۔

چھٹا: پہلے اسلام کی دعوت دے، نہ ماننے پر مخالفین اسلام سے جہاد کرے تاکہ وہ مخالف یا تو اسلام قبول کریں یا ذمی بن جائیں، کیونکہ خدا کی جانب سے خلیفہ پر ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے لئے تمام دوسرے ادیان پر غلبہ و فوقیت حاصل کرے۔

ساتواں: خوف جبر اور زیادتی کے بغیر احکام شرعیہ اور اجتہاد فقہی کے مطابق خراج و صدقات وصول کرے۔

آٹھواں: بیت المال سے مستحقین کے لئے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کرے نہ اس میں اسراف ہو نہ امساک۔ اور یہ وظیفے اور تنخواہیں مستحقین کو بلا تقدیم و تاخیر وقت پر دی جائیں۔

نواں: دیانت داروں کو اپنا قائم مقام اور قابل اعتماد لوگوں کو حاکم و عامل مقرر کرے اور خزانے کو ایسے ہی لوگوں کے سپرد کرے تاکہ انتظام قابل لوگوں سے مضبوط ہو اور خزانہ دیانت داروں کے قبضے میں محفوظ رہے۔

دسواں: خود تمام امور سلطنت کی نگرانی کرتا رہے اور تمام واقعات سے باخبر رہے تاکہ امت کی پاسبانی اور ملت کی حفاظت وہ خود کرسکے اور عیش و عشرت یا عبادت میں مشغول ہوکر اپنے فرائض دوسروں کے حوالے نہ کردے کیوں کہ ایسی صورت میں دیانت دار بھی خیانت کرنے لگتا ہے اور وفادار بھی خواہ کیسا ہی ہو نیت میں بھی فرق پڑجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یا داؤدانا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله.

ترجمہ: اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے تم لوگوں میں حق و صداقت سے حکومت کرو۔ خواہشوں کے پیچھے نہ پڑجانا ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکادیں گی۔

اس آیت شریفہ میں خداوند عالم نے محض تفویض خلافت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ خود خلیفہ کو امور سلطنت کے انجام دینے کا حکم دیا ہے۔ نیز اتباع خواہشات نفسانی میں انہیں بری الذمہ نہیں کیا بلکہ اسے گمراہی سے تعبیر کیا ہے، اگرچہ خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا اسے دینی احکام اور منصب خلافت کی وجہ سے حق حاصل ہے، مگر رعیت کے جو حقوق اس پر واجب الادا ہیں ان کی بنا پر اسے ان باتوں سے گریز کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کی فلاح و بہبود کا جواب دہ ہے۔ ایک شاعر نے